حرفِ آغاز

قرآن مجید ـــــ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے

ـــــــــــــــ سید جلال الدین عمری

بعض لوگ قرآن مجید کی تعریف و توصیف کرتے ہیں۔ بہ ظاہر اس کا احترام بھی کرتے ہیں۔ خاص طور پر اس کی اخلاقی تعلیمات، اس کا تصورِ مساوات، اس کا نظامِ معاشرت، قیامِ عدل پر اس کا زور اور اس جیسی بعض دوسری تعلیمات کو قرآن کا احسان مانتے ہیں اور دنیا پر اس کے اثرات کا اعتراف کرتے ہیں، لیکن اسے وہ حضرت محمد ﷺ کی فکری کاوشوں کا نتیجہ قرار دیتے ہیں کہ آپ نے دنیا کو قرآن جیسی کتاب دی۔ انتہائی ناموافق حالات میں عرب کے ناخواندہ، غیر مہذب اور جنگ جو قبائل کو متحد کر کے ایک عظیم مذہبی اور تہذیبی انقلاب برپا کر دیا اور عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کی بنیاد پر ایک وسیع سلطنت قائم کر دی۔ بعض لوگوں کی زبان سے برملا اس بات کا اعتراف و اظہار بھی ہوتا رہتا ہے کہ آپ تاریخ عالم کے سب سے بڑے مذہبی اور سیاسی راہ نما تھے۔

اس ثنا خوانی اور تعریف و توصیف میں قرآن مجید اور حضرت محمد ﷺ کی اصل حیثیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ آپ دنیا کے سیاسی قائدین یا مصلحین کی طرح سیاسی قائد یا مصلح نہیں تھے، جو اپنی فکر کے مطابق نوعِ انسانی کی خدمات انجام دیتے ہیں، بلکہ آپ کی اصل حیثیت یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آپ نے دنیا میں جو کارنامہ انجام دیا وہ اسی حیثیت میں انجام دیا۔

عرب کے مشرکین سے قرآن نے سب سے پہلے خطاب کیا۔ وہ محمد ﷺ کی سیرت و اخلاق اور دیانت و امانت کے معترف تھے، لیکن بنائے نزاع آپ کی رسالت اور قرآن مجید تھا۔ وہ آپ کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھے کہ آپ اللہ

تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ ہی کی جانب سے آپ پر قرآن مجید نازل ہو رہا ہے۔

قرآن مجید کی متعدد سورتوں کے آغاز ہی میں یہ بات بڑی صراحت کے ساتھ کہی گئی ہے کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے، جو محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے۔ یہاں صرف دو تین حوالے پیش کیے جا رہے ہیں۔ بعض اور حوالے آگے اسی مضمون میں موجود ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ○ (الکہف:۱)	حمد تمام کی تمام اللہ کے لیے ہے، جس نے اپنے بندے پر 'الکتاب' (قرآن) نازل کی اور اس میں کسی قسم کی کجی نہیں رکھی۔
تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ (الزمر:۱)[۱]	اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے، جو غالب اور حکمت والا ہے۔
الٓرٰ ○ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَکِیْمٍ خَبِیْرٍ ○ (ہود:۱،۲)	الٓرٰ۔ یہ ایسی کتاب ہے، جس کی آیات (دلائل کے لحاظ سے) محکم کی گئی ہیں، پھر ان کی تفصیل کی گئی ہے، اس ذات کی طرف سے جو حکیم اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

قرآن میں بار بار زور دے کر کہا گیا ہے کہ یہ باعظمت کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اسے کسی انسان کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔ اس کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جا سکتا جو کسی انسانی تصنیف کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

سورۃ القدر کی پہلی ہی آیت ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ○ (القدر:۱)	بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

سورۂ دخان ان آیات سے شروع ہوتی ہے:

حٰمٓ ○ وَ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ ○ (الدخان:۱-۳)	حٰمٓ، قسم ہے اس واضح کتاب کی۔ بے شک ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں اتارا ہے، یقیناً ہم لوگوں کو انجام بد سے ڈرانے والے ہیں۔

---

[۱] یہ آیت الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سورۃ المؤمن:۱،۲، اور سورہ حٰمٓ السجدۃ:۱،۲ کے آغاز میں بھی آئی ہے۔

سورۂ دہر میں ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا۝ (الدھر:۲۳) ہم نے یہ قرآن تم پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔

سورۂ رحمٰن کا آغاز ان الفاظ سے ہوا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۝ (الرحمٰن:۱،۲) خدائے رحمٰن نے قرآن کی تعلیم دی ہے۔

سورۂ زمر کی ابتدا ہی میں فرمایا گیا:

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ۝ (الزمر:۱،۲) یہ کتاب نازل کردہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہر چیز پر غالب اور حکمت والا ہے، ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے، لہٰذا آپ اللہ کی عبادت کریں، دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔

اسی سورت میں آگے ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ۝ (الزمر:۴۱) ہم نے آپ پر یہ کتاب لوگوں (کی ہدایت) کے لیے دینِ حق کے ساتھ نازل کی ہے۔

یہ بات اس زور اور قوت کے ساتھ اس لیے کہی گئی کہ اسے تسلیم کیے بغیر محمد ﷺ اور قرآن مجید کی صحیح حیثیت کا تعین ہی نہیں کیا جاسکتا۔

رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کہتے تھے کہ قرآن مجید آپ کے خیالاتِ پریشان کا مجموعہ ہے، جسے آپ اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ قرآن مجید میں بار بار اس کی تردید کی گئی اور کہا گیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، جسے انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے۔ سورۂ سجدہ کے شروع ہی میں ہے کہ تم اپنے انجام سے بے خبر تھے، صدیوں سے تمھارے درمیان اللہ کے کسی رسول کی ـــــ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ـــــ بعثت نہیں ہوئی تھی۔ اب اس مقصد کے لیے محمد ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ وہ اس کے ذریعے تمھیں دنیا اور آخرت کی فلاح کی راہ دکھا رہے ہیں:

الٓمّٓ ○ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ لِتُنْذِرَ قَوْماً مَّآ اَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِنْ قَبْلِکَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ○ (السجدۃ:۱-۳)

الٓمّٓ۔ اس کتاب کا نزول، اس میں کوئی شک نہیں کہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص (پیغمبرؑ) نے اسے خود سے گھڑ لیا ہے؟ (نہیں)، بلکہ وہ تمھارے رب کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے، تاکہ تم ایک ایسی قوم کو اس کے انجام سے آگاہ کردو جس کے پاس تم سے پہلے کوئی آگاہ کرنے والا نہیں آیا تھا، شاید وہ راہِ ہدایت پاسکیں۔

سورۂ فرقان کے شروع ہی میں کہا گیا کہ قرآن مجید کا نزول اس لیے ہے کہ ساری دنیا جہاں کے لوگوں کو ان کے انجام سے متنبہ کردیا جائے:

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ○ (الفرقان:۱)

بابرکت ہے وہ ذات جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب (قرآن) اپنے بندے پر نازل کی، تاکہ وہ سارے جہاں والوں کے لیے نذیر ہو۔ (ان کے انجام سے انہیں آگاہ کردے)

سورۂ ابراہیم کے آغاز میں یہ بات زیادہ وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے:

الٓرٰ قف کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ○ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ وَیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ○ (ابراہیم:۱،۲)

الٓرٰ۔ یہ ایک کتاب ہے، جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، تاکہ تم لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں پہنچاؤ، ان کے رب کی توفیق سے۔ اس رب کے راستے پر جو زبردست اور ستودہ صفات ہے۔ وہ اللہ جو ان ساری چیزوں کا مالک ہے، جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور تباہی ہے سخت عذاب کی انکار کرنے والوں کے لیے۔

سورۂ شعراء میں کہا گیا کہ اس کتاب کا نزول اس اعلیٰ وارفع مقصد کے لیے ہوا ہے، جس کے لیے اللہ کے رسولوں کی بعثت ہوتی رہی ہے:

وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ (اَلشعراء:۱۹۲-۱۹۵)

بے شک یہ قرآن رب العالمین کا نازل کردہ ہے جسے ایک امانت دار فرشتہ لے کر تمھارے قلب پر اترا ہے، تاکہ تم (پیغمبروں کی طرح) اللہ کے عذاب سے ڈرانے والے ہوجاؤ (اس مقصد کے لیے) یہ صاف صاف عربی زبان میں ہے۔

قرآن کے منکرین کبھی اسے شاعری قرار دیتے اور کبھی کہتے کہ یہ کہاوت اور جادوگری ہے۔ اس کے جواب میں کہا گیا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (الحاقہ:۴۰-۴۳)

بے شک یہ ایک معزز رسول کا قول ہے۔ اور وہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، کم ہی تم (اس پر) ایمان لاتے ہو۔ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے، کم ہی تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔[۱]

---

[۱] آیت میں 'رسول کریم' کے الفاظ آئے ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے حضرت جبرئیل مراد ہیں، لیکن آیات کا سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ یہاں اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کا ذکر ہے۔ بعد کی آیات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ زمخشری کہتے ہیں: ان هٰذا القرآن لقول رسول كريم اى يقوله و يتكلم به على وجه الرسالة من عند الله. اس کے بعد کہتے ہیں: وقيل الرسول الكريم جبريل عليه السلام و قوله و ما هو بقول شاعر دليل على انه محمد ﷺ و ان المعنى على اثبات انه رسول لا شاعر و لا كاهن. الکشاف:۴/۴۹۵ (یعنی یہ قرآن، رسول کریم کا قول ہے۔ یہ کلام وحی ورسالت ہے جو اللہ کی طرف سے آپ تک پہنچا ہے، اسی کو آپ پیش کررہے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے حضرت جبرئیل مراد ہیں، لیکن بعد کی آیت کہ یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں محمد ﷺ کی رسالت کا اثبات ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں شاعر یا کاہن نہیں ہیں)۔

قرآن مجید ایک پرتاثیر کلام ہے، دل اس کی طرف خود بخود کھنچتا ہے۔ اس کے اس جذب وتاثیر کی وجہ سے مخالفین اسے سحر اور جادو کہا کرتے تھے۔ سورۂ صٓ کی ابتدائی آیات کے بعد فرمایا گیا:

وَعَجِبُوا أَن جَاءهُم مُّنذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ○ (ص:۴)

اور انھوں نے اس پر تعجب کیا کہ ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس آیا۔ اور انکار کرنے والوں نے کہا کہ یہ تو ساحر اور (دعویٰ رسالت میں) جھوٹا ہے۔

سورۂ صافات میں ہے:

وَ قَالُوْٓا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ○ (اَلصّٰفّٰت:۱۵)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

مخالفین کبھی یہ کہتے کہ قرآن مجید کی ترتیب و پیش کش میں محمد ﷺ کو کچھ دوسرے لوگوں کا تعاون حاصل ہے۔ قرآن مجید میں عبرت اور نصیحت کے لیے تاریخی واقعات اور تمثیلات بیان ہوئی ہیں۔ اس کے متعلق کہا جاتا کہ ان قصے کہانیوں کو محمد ﷺ دوسروں سے نقل کراتے ہیں، وہ آپ کو سنائے جاتے ہیں اور آپ انہیں وحی کے نام سے دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ قرآن نے اسے سراسر ظلم اور ناانصافی قرار دیا:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّآ اِفْكُ نِ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُوْنَ فَقَدْ جَاءُوْا ظُلْماً وَّ زُوْرًا ○ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلاً ○ (الفرقان:۴، ۵)

جن لوگوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ تو محض ایک جھوٹ ہے، جسے اس شخص نے گھڑ لیا ہے اور اس معاملہ میں کچھ دوسرے لوگ اس کی مدد کرتے ہیں۔ بے شک یہ لوگ (بڑے ہی) ظلم اور جھوٹ کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ یہ اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں، جنھیں اس شخص نے لکھوا لیا ہے۔ اور وہ صبح و شام اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

قرآن مجید نے اس الزام کو کہ اس کی تصنیف میں کچھ لوگ مدد کر رہے ہیں سراسر ظلم اور جھوٹ اس لیے قرار دیا کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں پیش کیا جا سکتا تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ اتنا بڑا واقعہ پیش آتا اور مکہ کی آبادی اس سے بے خبر ہوتی۔ مکہ کی چھوٹی سی بستی میں وہ فرد یا افراد پوشیدہ نہیں رہ سکتے تھے جو اس ناپاک مہم میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد قرآن کی اصل حیثیت واضح کی گئی:

قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ اِنَّهٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا○ (الفرقان:٦)

ان سے کہو کہ اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے، جو آسمانوں اور زمین میں پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

کبھی کہا جاتا کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتہ محمد ﷺ کے پاس وحی لے کر نہیں آیا ہے، بلکہ ایک غلام، جو صحفِ سماوی سے واقف ہے، آپ کو اس کی تعلیم دے رہا ہے۔ اس سلسلے میں وہ حویطب بن عبد العزیز کے غلام، جس کا نام عائش یا یعیش تھا، کا ذکر کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اسلام کو سمجھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ بعد میں اسلام لے بھی آیا۔ اس کے علاوہ دو اور عجمی غلاموں کا نام بھی لیا جاتا ہے کہ وہ توریت اور انجیل پڑھا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ان کی مجلس سے کبھی گزر ہوتا تو آپ ان کی باتیں سننے کے لیے کچھ دیر رک جاتے۔ آپ کی تعلیمات کو ان کی طرف منسوب کرنا انتہائی حماقت تھی۔ اس کے لیے تعلیم و تعلّم کا طویل سلسلہ ثابت کرنا ہوگا، جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ قرآن نے کہا: جس فرد کا تم ذکر کرتے ہو وہ تو عجمی ہے، وہ اس کتاب کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے، جس کی 'عربی مبین' کا جواب پیش کرنے سے تم سب قاصر ہو۔[1]

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: ۳۱۰/۲
قرطبی، الجامع لاحکام القرآن جلد۵، جزء۱۰، ص ۱۱۷

وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ○ (اَلنحل:۱۰۳)

ہم بہ خوبی جانتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اسے ایک شخص تعلیم دیتا ہے (لیکن) جس کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور قرآن کی زبان ’عربی مبین‘ ہے۔

رسولِ خدا محمد ﷺ کا مذاق اڑایا جاتا کہ آپ ہی اللہ کے رسول اور فرستادہ ہیں اور آپ ہی پر اس نے اپنی کتاب نازل کی ہے۔ آپ ہی ہیں جو ہمارے معبودوں کو بے اصل اور ان کی پرستش کو غلط قرار دے رہے ہیں اور ایک رحمٰن و رحیم کی بندگی کی دعوت دے رہے ہیں:

وَ اِذَا رَاٰکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ وَ هُمْ بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ کٰفِرُوْنَ○ (الانبیاء:۳۶)

وہ لوگ جنھوں نے انکار کی روش اختیار کر رکھی ہے وہ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو بس آپ کو مذاق بنا لیتے ہیں۔ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے اور یہ (خدائے) رحمٰن کے ذکر کے منکر ہیں۔

یہی بات ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

وَ اِذَا رَاَوْکَ اِنْ یَّتَّخِذُوْنَکَ اِلَّا هُزُوًا اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ○ اِنْ کَادَ لَیُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَیْهَا○ (الفرقان:۴۱،۴۲)

جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو بس مذاق بنا لیتے ہیں کہ کیا یہی ہے وہ شخص جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ تو ہمیں اپنے معبودوں سے بھٹکا ہی دیتا اگر ہم ان کے سلسلے میں جمے نہ رہتے۔

قرآن مجید میں ان کی بے سر و پا باتوں کا جواب نہ دیا جاتا یا کسی مسئلہ میں نزولِ وحی میں تاخیر ہوتی تو مذاق اڑاتے کہ اس کی تصنیف میں آخر تاخیر کیوں ہو رہی ہے، جس طرح قرآن گھڑ کر پیش کرتے ہو اس طرح اس کا بھی کوئی جواب لے آؤ:

وَ اِذَا لَمۡ تَاۡتِهِمۡ بِاٰيَةٍ قَالُوۡا لَوۡلَا اجۡتَبَيۡتَهَا[1]

جب آپ ان کو کوئی آیت نہ پیش کریں تو کہتے ہیں کہ اسے اپنی طرف سے گھڑ کیوں نہیں لیا؟

اس کے جواب میں کہا گیا:

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ مِنۡ رَّبِّىۡ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ وَ هُدًى وَّ رَحۡمَةٌ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ○ (الاعراف:۲۰۳)

ان سے کہو کہ میں تو اس وحی کی اتباع کرتا ہوں، جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر کی جاتی ہے۔ یہ بصیرتیں (دلائل) ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے، ان کے لیے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

مخالفین کے تمام لغو اعتراضات، بے ہودہ الزامات اور شکوک وشبہات کے جواب میں کہا گیا کہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قرآن جن علوم ومعارف کا حامل ہے آپ کو اس کی علمی وفکری تیاری کرتے کسی نے نہیں دیکھا، اس کے لیے آپ نے کسی فلسفی اور دانش ور کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا۔ آپ ایک سادہ سی اور بااخلاق زندگی گزار رہے تھے، آپ اس سے بالکل بے خبر تھے کہ آپ اللہ کے رسول بنائے جائیں گے۔ وحی و رسالت آپ کے لیے اچانک ایک ایسا تجربہ تھا، جس کا آپ تصور تک نہیں کرتے تھے:

وَ مَا كُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ يُّلۡقٰٓى اِلَيۡكَ الۡكِتٰبُ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ ظَهِيۡرًا لِّلۡكٰفِرِيۡنَ○ (القصص:۸۶)

اور آپ اس بات کی توقع نہیں کرتے تھے کہ آپ پر (آسمانی) کتاب اتاری جائے گی۔ مگر یہ آپ کے رب کی مہربانی ہے (کہ اس نے یہ کتاب نازل کی) لہٰذا آپ منکرین کے مددگار نہ بنیے۔

---

[1] بعض حضرات نے یہاں 'آیت' سے معجزہ مراد لیا ہے، لیکن سیاق وسباق سے قریب تر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ یہاں آیت قرآنی مراد ہے۔ آیت کی تفسیر کے لیے ملاحظہ ہو: زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:۲/۱۸۵۔ بیضاوی: ۱/۳۷۶۔ شوکانی کی تفسیر کی تلخیص زبدۃ التفسیر من فتح القدیر کی عبارت ہے: کانوا یقولون اذا تراخی الوحی ھلا اتیت بشیء من الآیات القرآنیۃ اقتعالا من تلقاء نفسک، ص: ۲۲۵

سورۂ شوریٰ کے آخر میں کہا گیا کہ رسالت سے پہلے آپ کسی آسمانی کتاب سے اور ایمان اوراس کے تقاضوں سے واقف نہیں تھے۔ منصبِ رسالت پر سرفراز ہونے کے بعد ہی یہ حقائق آپ پر کھلے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (الشوریٰ:۵۲)

اور اسی طرح ہم نے آپ پر اپنے حکم سے ایک روح (قرآن) کی وحی کی ہے، جب کہ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنایا۔ اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں جس کو چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔ بے شک آپ سیدھی راہ کی طرف راہنمائی کررہے ہیں۔[۱]

سورۂ نمل میں زور دے کر کہا گیا:

وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ○ (النمل:٦)

بے شک یہ قرآن آپ اس خدا کی طرف سے پا رہے ہیں جو حکمت والا اور علم والا ہے۔

اس طرح قرآن مجید نے اس تصور ہی کو ختم کردیا کہ وہ محمد ﷺ کی تصنیف ہے۔ اس پر جو اعتراضات کیے جاتے یا جو شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے تھے ان سب کی ایک ایک کر کے تردید کی۔ اس نے بتایا کہ آپ کی پاکیزہ سیرت، آپ کا بے داغ

---

[۱] آیت میں 'روح' کا لفظ آیا ہے۔ اس سے نبوت، رحمت، وحی، جبرئیل اور قرآن مراد لیے گئے ہیں۔ (بغوی، معالم التنزیل، مع تفسیر الخازن: ۵/ ۳۹۱،۳۹۲۔ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد۸، جزء۱٦، ص ۴۷) ابن کثیر اور جلالین وغیرہ میں روح کی تشریح قرآن سے کی گئی ہے۔ زمخشری اس کی تفسیر میں کہتے ہیں رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا یرید ما او حی الیه لان الخلق یحیون به فی دینهم کما یحیی الجسد بالروح۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل:۴/ ۲۲۷۔ یعنی 'رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا' سے مراد وہ وحی ہے، جو آپ کو کی جارہی ہے۔ اسے روح اس لیے کہا گیا کہ اس سے اللہ کے بندے حیات دینی پاتے ہیں، جس طرح روح کے ذریعے جسم کو حیات ملتی ہے۔

ماضی، آپ کا آسمانی تعلیمات سے ناواقف ہونا ثابت کرتا ہے کہ قرآن مجید آپ کی من گھڑت یا ذہنی اختراع نہیں ہے۔ یہ شاعری، ساحری یا داستان سرائی بھی نہیں، بلکہ کتاب ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے، اسے اسی حیثیت سے قبول کرنا ہوگا۔

موجودہ دور کے دانشور اور محققین جو قرآن مجید کو محمد ﷺ کی تصنیف قرار دیتے ہیں انہیں یہ کہنے میں تامل نہیں ہوتا کہ قرآن کی تعلیمات اپنے دور کے لیے تو مناسب تھیں، لیکن اب ان کی معنویت باقی نہیں رہی۔ فلاں موضوع پر اس کے خیالات میں وزن ہے اور فلاں موضوع پر اس نے بے وزن باتیں کہی ہیں۔ اس کی یہ تعلیم درست اور یہ تعلیم نادرست ہے۔ اسے اس حد تک قبول کیا جاسکتا ہے اور اس سے آگے وہ قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس معاملہ میں اس پر عمل ہوسکتا ہے اور اس معاملہ میں عمل ممکن نہیں ہے۔ یا یہ کہ اس کا تصورِ مساوات ناقص ہے اور اس میں انسانی حقوق کی پاس داری نہیں ہے۔ اس طرح کی باتیں کسی بھی انسان کی ذہنی کاوش کے بارے میں کہی جاسکتی ہیں۔

اہل عرب جو رسول اللہ ﷺ کے دعویِ رسالت کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور قرآن مجید کو آپ کی تصنیف قرار دیتے تھے، وہ بھی یہی کہتے تھے کہ قرآن جس عقیدۂ توحید کی دعوت دے رہا ہے، آخرت کا جو تصور پیش کر رہا ہے، جن اخلاقیات اور اصولِ حیات کا پابند بنانا چاہتا ہے، وہ ہمارے لیے قابل قبول نہیں ہیں۔ ہمارے عقیدہ اور مذہب، ہماری تہذیب اور روایات سے یہ ہم آہنگ ہو یا کم از کم اس کی رعایت کی جائے تو اس پر غور ہوسکتا ہے۔

اس مطالبہ کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ مطالبہ قرآن کے موقف کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کیا جارہا ہے۔ محمد ﷺ قرآن کے مصنف یا مرتب نہیں ہیں کہ وہ اس میں اپنی مرضی سے کمی بیشی یا حذف و اضافہ کرسکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ وہ اس کے احکام اور ہدایات کے پابند ہیں:

وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا ائۡتِ بِقُرۡاٰنٍ غَیۡرِ هٰذَاۤ اَوۡ بَدِّلۡهُ قُلۡ مَا یَکُوۡنُ لِیۡۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآیِٔ نَفۡسِیۡ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ○ (یونس:۱۵)

جب ان کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو اس کی امید نہیں ہے کہ (انہیں قیامت میں) ہم سے ملنا ہے وہ کہتے ہیں کہ تم کوئی دوسرا قرآن پیش کرو یا اسے تبدیل کردو۔ ان سے کہو کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے کہ اس میں کوئی ردو بدل کردوں۔ میں تو بس اس وحی کی اتباع کرتا ہوں، جو مجھ پر کی جاتی ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن (قیامت) کے عذاب کا ڈر ہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی کوئی بات خدا کی طرف منسوب کر کے پیش کریں گے تو وہ اس کی گرفت میں آ جائیں گے۔ تمھاری طاقت نہیں ہے کہ تم ہمیں اس سے روک دو اور اپنے تمام وسائل و ذرائع کے باوجود انہیں بچا سکو:

وَ لَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ لَاَخَذۡنَا مِنۡهُ بِالۡیَمِیۡنِ ○ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡهُ الۡوَتِیۡنَ ○ فَمَا مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡهُ حٰجِزِیۡنَ ○ (الحاقۃ:۴۴-۴۷)

اگر وہ ہماری طرف کوئی بات گھڑ کر منسوب کرتا تو ہم اسے دائیں ہاتھ (قوت) سے پکڑ لیتے۔ پھر اس کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی ایسا نہ ہوتا جو اسے بچا لے جائے۔

کسی انسانی تصنیف کے بارے میں تو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کی تمام باتوں سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، فلاں مسئلہ میں اس کا نقطۂ نظر صحیح ہے اور فلاں مسئلہ میں صحیح نہیں ہے۔ یہ بات واقعہ کے مطابق بھی ہوسکتی ہے، اس لیے کہ انسان کا علم وفہم ناقص ہے، اس سے غلطیاں ہوسکتی ہیں اور ہوتی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں رد وقبول کا یہ حق کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس کے ایک جزء سے اتفاق اور دوسرے جزء سے عدم اتفاق کا رویہ اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کی کتاب یہی نہیں کہ مکمل اتباع کا مطالبہ کرتی ہے، بلکہ مخالف افکار ونظریات سے کلی اجتناب کا حکم دیتی ہے، اس لیے کہ علم وبصیرت پر ان کی اساس نہیں ہے، بلکہ ظن وتخمین اور خواہشات پر ان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ سورۂ انعام

میں ارشاد ہے:

اِتَّبِعۡ مَآ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ○ (الانعام:۱۰۲)

پیروی کیجیے اس ہدایت کی جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جا رہی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ مشرکوں سے بے رخی اختیار کیجیے۔

اس ذیل میں آگے فرمایا:

وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ ھُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ○ (الانعام:۱۱۶)

اگر آپ ان میں سے اکثر کی بات پر چلنے لگیں جو زمین پر رہتے ہیں تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے۔ وہ تو محض گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور محض اٹکل سے کام لیتے ہیں۔

سورۂ جاثیہ میں کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کو کتاب عطا کی تھی، لیکن بعد میں وہ اپنے مفاد کی خاطر اس میں ردّ و بدل کرنے لگے اور اسے صحیح شکل میں باقی نہیں رکھا۔ اب آپ اس قانون شریعت پر عمل کیجیے جو آپ کو دیا گیا ہے، جاہلوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیے:

ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡھَا وَ لَا تَتَّبِعۡ اَھۡوَآءَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ○ اِنَّھُمۡ لَنۡ یُّغۡنُوۡا عَنۡکَ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا وَّ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ بَعۡضُھُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ وَّ اللّٰہُ وَلِیُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ○ (الجاثیۃ:۱۸،۱۹)

پھر ہم نے آپ کو دین پر عمل کے لیے ایک شریعت دی ہے۔ آپ اس کی اتباع کیجیے اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیے جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔ وہ خدا کے مقابلہ میں آپ کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ بے شک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ اس سے ڈرنے والوں کا رفیق ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان کا لازمی تقاضا ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ وہ عالم الغیب ہے۔

دنیا کی کوئی چیز اوراس کے پیچھے کارفرما حکمت اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وہ انسان کے ماضی، حال اور مستقبل سے واقف ہے اوراس کی بھلائی برائی اور فلاح وخسران کوخوداس سے زیادہ جانتا ہے۔ وہ سبوح قدوس ہے، اس سے غلطی کا کوئی امکان نہیں ہے، پوری دنیا اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ وہ بےعیب اور ہرنقص اورکم زوری سے پاک ہے۔اسے مانے بغیر اللہ کا تصور ہی مکمل نہیں ہوتا۔اس بنیاد پروہ کہتا ہے کہ اس کی کتاب بھی ہرنقص سے پاک ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ وہ صراطِ مستقیم کی طرف راہ نمائی کرتی ہے، زندگی کے کسی بھی معاملہ میں اس کی ہدایت کو غلط نہیں کہا جاسکتا۔ قرآن اپنی اسی حیثیت کوتسلیم کرانا چاہتا ہے۔

اسلام میں خدمت خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

اسلام نے خدمتِ خلق کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔اس کتاب میں خدمتِ خلق کی دینی حیثیت اورعبادت سےاس کاتعلق واضح کرنے کے بعد خدمت کےمختلف پہلوؤں،طریقوں اور ذرائع کی نشان دہی کی گئی ہے۔اس کے مستحقین کا تذکرہ ہے۔ وقتی اور ہنگامی خدمات، مستقل خدمات، رفاہی خدمات اوراس مقصد سے قائم ہونے والے اداروں اورتنظیموں کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہےاوراس سلسلہ میں مروّج بعض غلط تصورات کی اصلاح بھی کی گئی ہے۔ وقت کے ایک اہم موضوع پر اردو میں پہلی مستند کتاب ،صفحات:۱۸۴، قیمت:=/۱۱۰روپئے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ Islam and service to mankind کے نام سے شائع ہوگیاہے،صفحات: ۲۰۰، قیمت:-/۱۰۰روپئے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳،علی گڑھ-۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگرابوالفضل انکلیو،نئی دہلی-۲۵